مسز صوفیہ یوسف خشک

اردو ادب میں طنز و مزاح

ہنسی کی ابتدا جیسے بھی ہوئی ہو لیکن قرینہ یہ کہتا ہے کہ اس کا دائرہ اور بنیاد دونوں ارتقائی منازل میں متغیر ہوتے رہے۔ ہنسی کو برقرار رکھنے کے لئے تقریر، تحریر، عمل، صوت، الفاظ، حرکات وسکنات وغیرہ کا سہارا لیا گیا۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ فنون لطیفہ کی حد میں داخل ہوگئی چنانچہ طربیہ بن کر ڈرامے کی جان بن گئی اور ادب کے محاسن میں شمار ہونے لگی۔ مواد اور ہیت کے لحاظ سے مذاق کے مختلف پہلو ہیں۔ امتیازی خصوصیات کی بنا پر اہل علم نے ظرافت کو سمجھ بوجھ کے خانوں میں بانٹ دیا ہے چنانچہ ہجو سے لے کر طنز تک، اس کی بکھری ہوئی حکایتیں ہیں ''البرٹ راپ'' لکھتے ہیں۔

''مزاحیانہ ہنسی میں محبت کے جزو کو غالب ہونا چاہیئے''۔ (۱)

ہنسنا ہنسانا ایسا ہی ہے جیسے طویل سمندری سفر کے بعد زمین کا میسر آجانا۔ تلخی اور غم کی وجہ سے جب ناخوشگواری بڑھ جاتی ہے تو تھوڑی دیر کی خوشی ازسرنو تازگی عطا کرتی ہے۔ نفسیاتی اعتبار سے بھی ہنسنا اہم خصوصیات کا حامل ہے۔ اس کی وجہ سے نہ صرف جسمانی فوائد حاصل ہوتے ہیں بلکہ دماغ کی حالت بھی بہتر ہو جاتی۔ ہنسی نہ صرف افراد کو باہم مربوط ہونے کی ترغیب دیتی ہے بلکہ ہر اس فرد کو نشانہ تمسخر بناتی ہے جو معاشرے کے مروجہ قوائد و ضوابط سے انحراف کرتا ہے ہنسی ایک خالص سکون ہے جو زندگی کے کھردرے پن کو ہموار کر

دیتی ہے۔ ہنسی سے حاصل ہونے والی مسرت آرٹ اور فلسفے سے حاصل شدہ مسرت سے اس حد تک مختلف ہوتی ہے کہ اس میں عضویاتی مظاہر بھی شریک کار ہوتے ہیں بقول آرتھر کوئسلر:۔

''خیالات و احساسات ایک خوبصورت تصویر کو دیکھ کر یا ایک اعلیٰ نظم پڑھ کر ہمارے دلوں میں ضرور متحرک ہوتے ہیں لیکن ایسا خاص عضویاتی مظاہرہ پیدا نہیں ہوتا جو ہنسی کے وقت معرض وجود میں آتا ہے اور یہ چیز محض ہنسی سے مخصوص ہے کہ انسان ایک لطیفے کو سن یا پڑھ کر اپنے جذبات و احساسات کو اتنے نمایاں انداز میں اظہار کرتا ہے۔ (۲)

ادب زندگی کے ہر شعبہ کے نشیب و فراز کے جملہ محاسن و مصائب کی ترجمانی کرتا ہے۔ ہنسی بھی انسانی زندگی کا ایک اہم عنصر ہے اس لئے ادب ہنسی کا ترجمان ہے۔ زندگی کے تمسخر انگیز پہلو کی عکاسی ادب میں اسی قدر ضروری ہے جس قدر زندگی کے رقت انگیز پہلو کی، عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ادب کا وہ حصہ جو ہنسی کا ترجمان ہے زیادہ اہم نہیں تفریح کا ذریعہ ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر وقت سنجیدہ اور پیچیدہ مسائل سے پریشان دماغ ماؤف ہو جاتا ہے اور دماغ میں شگفتگی پیدا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشکل کتب کے مطالعے سے تنگ ہو جانے کی صورت میں ہلکی اور لطیف تحریروں کی طرف رجوع کرنے سے دماغی بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ خالص ظرافت نگار ہو یا ہجو گو دونوں کے کارنامے تخلیقی ہوتے ہیں ظرافت نگار کی آنکھیں دنیا اور زندگی کو وسیع اور بوقلموں مناظر کو دیکھتی ہیں اور ان میں سے ایسے موضوعات کا انتخاب کر لیتی ہیں جو اس کے مخصوص آرٹ کے لئے موزوں ہوں۔

ظرافت نگار اور ہجو گو کی راہیں اُس جگہ پر جدا ہوتی ہیں جب کسی مشاہدہ کو دیکھ کر ظرافت نگار مسکرا اٹھتا ہے اور اس کے دل میں کوئی جذبہ نہیں ابھرتا لیکن ہجو گو کے دل میں ناانصافی، بے رحمی اور ریاکاری دیکھ کر نفرت، غضب، حقارت اور اسی قسم کے جذبات ابھر سکتے ہیں۔

اردو شاعری میں ہمیں سب سے پہلے ظرافت کا پرتو واعظ کی پردہ دری اور محتسب پر طنز کی صورت میں اُس وقت ملتا ہے جب اردو شعرا کا کلام فارسی کے زیر سایہ پروان چڑھ رہا تھا، اردو برائے نام ہی اردو کہلائی جا سکتی تھی، چنانچہ پہلے صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ سے اگر سلسلہ شروع کیا جائے تو اُس وقت سے اب تک تمام شعرا کے یہاں کم و بیش واعظ اور محتسب پر طنز ملتا ہے۔ طنز و ظرافت کی ابتداء شمالی ہند میں جعفر زٹلی سے ہوئی ان کے زمانے میں درباری زبان فارسی تھی اس لئے ان کی شاعری میں زیادہ الفاظ بلکہ پورے پورے فارسی کے مصرعے پائے جاتے ہیں جعفر زٹلی حقیقت میں ایک ظریف عوامی شاعر تھے جعفر کا ''کچھوا نامہ'' جو بہت مشہور ہوا اس کا ابتدائی بند بطور مثال ملاحظہ ہو:

~ ''کہتا ہوں کچھوے تامے کو نادر سخن ستی
سن مرحبا کہو گے مجھے اس بچن ستی
مشہور ہے یہ بات کفوے زمن ستی
کچھوے کو شیخ جی نے دعا دی تھی فن ستی
تس کا کروں بیان سنو جان و تن ستی

مرزا محمد رفیع سودا جن کی شیوا بیانی کی بڑی دھوم ہے اُن کے کلام میں گہرا اور شوخ طنز ملتا ہے ان کی نازک خیالی، ندرت خیالی اور تشبیہات پر طنز شدت سے چھایا ہوا نظر آتا ہے ان کی غزلوں میں طنز بہت ہی نازک اور لطیف ہے۔ ایک پنجابی شاعر فدوی سے سودا کی کچھ بحث ہوگئی سودا نے اُس کی اتنی ہجو کی کہ وہ عاجز آ گیا:۔

~ جہاں میں کون بناتا ہے اُلّو بنئے کا
کسی سے بن کوئی آتا ہے اُلّو بنئے کا
بہت ہی جان کھپاتا ہے اُلّو بنئے کا
بنا مجھی کو یہ آتا ہے اُلّو بنئے کا
کہ فدوی جگ میں کہاتا ہے اُلّو بنئے کا

نظیر اکبر آبادی اردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے نہ صرف شعر کو اپنے ملک کے جیتے جاگتے ماحول سے قریب تر لانے کی کوشش کی بلکہ ہجو کی محدود کینہ پروری سے نکل کر طنز و مزاح کے وسیع اطلاق کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ ان کی شاعری میں سماج اور معاشرے پر طنز ملتا ہے۔ نظیر کے یہاں زندگی کی اہمیت ہے ان کا اجتماعی شعور بہت تیز تھا سماج کا کوئی پہلو ان کی نظر سے اوجھل نہیں ہوا ان کی نظمیں آدمی نامہ، روٹی نامہ، پیسہ نامہ، خوشامد وغیرہ اس سلسلے کی عمدہ مثالیں ہیں۔

~ دل خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہے
آدمی جن و پری بھوت بلا راضی ہے
بھائی فرزند بھی خوش باپ چچا راضی ہے
شاہ سرور و غنی شاہ و گدا راضی ہے
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

نظیر اکبر آبادی کے بعد طنز و ظرافت کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جس میں غالب سر فہرست ہیں۔ غالب براہ راست طنز نہیں کرتے بلکہ اپنے انداز میں ایسا تیکھا پن کر لیتے ہیں کہ گھوم کر بھی نشانہ وہیں پڑتا ہے جو ان کا مقصد ہوتا ہے، جیسے:۔

~ آئینہ دیکھ اپنا سامنہ لے کر رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا
یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

اکبر الہ آبادی طنز و ظرافت کی شاہراہ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا طنز مجبور انسان کا دل ٹھنڈا کرنے والی طعن و تشنیع ہے اور گفتار کی گرمی سے بجلی بن کر گرتا ہے اکبر

نے زندگی کی ہر شعبے کہ متعلق اپنے مخصوص رنگ میں نہایت لطیف ظریفانہ انداز میں اظہار خیال کیا ہے وہ خود مذہب کے پابند تھے اس پر مشرقی وضع کی سختی سے پابندی کرتے تھے اس لئے اُن کے کلام میں وہی جذبہ کام کرتا نظر آتا ہے:۔

~ شیخ کہتے ہیں کہ پیروں کر پرستش بھی ہے فرض
ماسٹر کہتے ہیں اللہ کو بھی یاد نہ کر۔

~ خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر
مجھے تو ان کی خوشحالی سے ہے پاس
یہ عاشق شاید مقصود کے ہیں
نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس

اردو شعر و ادب میں ریاض خیر آبادی ایک رند پاکباز کی حیثیت رکھتے ہیں انھوں نے ''ریاض الاخبار'' جاری کیا۔ شعر و سخن کا ایک ماہنامہ ''کل کدہ ریاض'' جاری کیا۔ ۱۸۸۳ میں ''فتنہ'' اور ۱۸۸۵ میں ''عطر فتنہ'' اخبار اُن کے طنز و مزاح میں اہم کارنامے ہیں۔

~ کس شوق سے شریک جماعت ہوئے تھے ہم
دیکھا سلام پھیر کے تو شیخ جی نہیں
~ اس شیخ کہن سال کی اللہ ری بزرگی
جنت میں بھی یہ جا کر جواں ہو نہیں سکتا

حاجی لق لق فطرتاً ظریف اور سماج پر بھی گہرا طنز کرتے ہوئے ملتے ہیں اُن کی ایک غزل کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

~ کیا اُن کو حالِ دل سنانے سے فائدہ؟
ہوگا تو ہوگا نوٹ دکھانے سے فائدہ؟
معلوم ہے دکھاتے ہیں وہ ہم کو سبز باغ ,

لارنس باغ شام کو جانے سے فائدہ
لق لق زمانہ ہم سے اٹھاتا ہے فائدے
ہم نے نہ کچھ اٹھایا زمانے میں فائدہ

علامہ اقبال نے بھی بلند پایہ طنز تحریر کیا ہے اُن کی نظمیں نصیحت، ملا اور بہشت، غلاموں کی نماز وغیرہ میں صوفی، ملا اور خانقاہ پر بھرپور طنز کیا گیا ہے۔

~ قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا جانیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

~ اقبال یہاں نام نہ لے علم خودی کا
موزوں نہیں مکتب کے لئے ایسے مقالات
ہے حق میں غلاموں کے یہی تربیت اولیٰ
موسیقی و صورت گریٔ علم و نباتات

سید مقبول حسین ظریف لکھنوی تفریحاً شعر کہتے تھے مقصد ہنسنا ہنسانا اور سماجی ناانصافیوں کو نشانہ طنز بنانا تھا۔ وہ جب کوئی بات اپنے ظریفانہ رنگ میں سمو کر کہتے تو گونا گوں دلچسپیاں پیدا کر دیتے ہیں۔

~ علم میں جھینگر سے بڑھ کر کامراں کوئی نہیں
چاٹ جاتا ہے کتابیں امتحان کوئی نہیں
لکھنو دہلی انہی شہروں پر کیا موقوف ہے
ہر جگہ اہل زبان ہیں بے زبان کوئی نہیں

احمق پھپھوندوی کے اشعار وجدانِ صحیح اور مذاق سلیم پر پورے اترتے ہیں وہ کبھی سیاست کو کبھی مذہب کو اور کبھی معاشرت کو اپنے ظریفانہ انداز میں نشانہ طنز بناتے ہیں:۔

پڑھ کے انگریزی دماغ اس کا فلک پر ہو گیا
جانتا ہے خود کو باورچی کہ بٹلر ہو گیا

طے کر چکے منازل تہذیب و ارتقا کے
ڈالیں اب اہل یورپ دنیا میں خوب ڈاکے
ناسوتیوں کے آگے لاہوت کے مسائل
آئے ہیں شیخ صاحب شاید کچھ آج کھا کے

جوش ملیح آبادی کے کلام میں شکوہ الفاظ کے ساتھ بڑی رنگا رنگی، وسعت اور تنوع ہے۔ طنز میں ان کی ایک مخصوص روش ہے جس کا اظہار غزلوں اور باعیوں میں ہوتا ہے۔

قد کی لمبائی سے اک حد تک قمر جھولی ہوئی
سر پہ چٹیا مُردہ چوہے کی طرح پھولی ہوئی
کہنیاں تکیے کے اندر وزن سے دھنستی ہوئی
چُست صدری دائرہ پر توند کے پھنستی ہوئی
ہنس کے غوطے آبِ سرد و گرم میں دیتا ہوا
قرض کے طالبِ علموں کا امتحان لیتا ہوا

ان کے علاوہ شعرا کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے طنز وظرافت کے ذریعے اپنا پیغام لوگوں تک پہنچایا جس میں مجید لاہوری، اکبر لاہوری، سید محمد جعفری، ضمیر جعفری، مجذوب چشتی، مجروح سلطان پوری، انور مسعود، فرقت کاکوروی، ڈاکٹر انعام الحق جاوید، شبنم رومانوی، ضیاالحق قاسمی، اطہر شاہ خان وغیرہ شامل ہیں۔

اردو نثر میں طنز وظرافت باقاعدہ ابتداء ۱۸۵۷ء کے بعد ہوئی مگر نثر میں مزاحیہ عناصر ہمیں داستانوں میں بھی ملتے ہیں۔ مثلاً امیر حمزہ، بوستانِ خیال اور فسانہ عجائب میں کہیں کہیں مزاحیہ ٹکڑے آ جاتے ہیں، اور چند کردار بھی ملتے ہیں، جیسے داستانِ امیر حمزہ کا کردار عمر

وعیار، بوستانِ خیال کا ابوالحسن جوہر وغیرہ۔ داستان کے بعد ہمیں مزاح نگاری کے چند ہلکے نمونے فورٹ ولیم کالج میں ملتے ہیں اس دور میں ایک کتاب نورتن جس کے مصنف محمد بخش مہجور نے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اس میں چند ایک ابواب مزاح نگاری کے نمونے کے طور پر مل جاتے ہیں مثلاً ایک باب میں احمقوں کی نقلیں، افیومیوں کی نقلیں وغیرہ مصنف نے اپنی اس کتاب میں لطیفے بھی جمع کئے ہیں تاکہ مزاح پیدا ہو۔

۱۸۵۷ء کے بعد اردو نثر میں طنز و مزاح کو تین گروپوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ایک وہ انشا پرداز ہیں جن کا نصب العین خالص ظرافت ہے دوسرے وہ انشا پرداز جو معاشرے سے ہر قسم کے نقائص کو مٹانا چاہتے ہیں اور آخر گروپ اُن انشا پردازں کا ہے جن کی ظرافت میں فلسفیانہ رنگ ہوتا ہے۔

اردو ادب کے طنز و مزاح میں مرزا غالب کے رنگ پکے اور واضح ہیں جن کو اب بھی زمانہ، غالب کی طرح دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔ غالب کی طرز تحریر کی خصوصیت کے بارے میں حالی لکھتے ہیں۔

> ''وہ چیز جس نے ان کے مکاتبات کو ناول اور ڈرامے سے زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے وہ شوخی تحریر ہے۔''(۳)

مرزا غالب کی تحریر صرف خط و کتابت کے دائرے ہی میں اپنی نظیر نہیں رکھتی بلکہ آج بھی اردو ادب میں دلچسپی اور لطف بیان کے لحاظ سے غالب کا کوئی ثانی نہیں ملتا۔ رنج و افسردگی کے باوجود ظرافت اُن کی طبیعت میں بس گئی تھی جیسے ہی قلم اٹھاتے تو ظرافت کے پھول جھڑنے لگتے۔ شوخی سے تو غالب کے خطوط بھرے پڑے ہیں وہ بعض اوقات اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کا نقشہ اس انداز میں کھینچتے ہیں کہ پڑھتے ہی بے اختیار ہنسی آ جاتی ہے مثلاً قربان علی بیگ سالک کو لکھتے ہیں:۔

> ''آپ اپنا تماشائی بن گیا ہوں رنج و زلت سے خوش ہوتا ہوں یعنی میں نے اپنے کو اپنا غیر تصور کیا ہے جو دکھ مجھے پہنچتا ہے کہتا ہوں کہ لو غالب

> کہ ایک اور جوتی لگی بہت اتراتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی دان ہوں آج دور دور تک میرا جواب نہیں لے اب تو قرض داروں کو جواب دے سچ تو یوں ہے کہ غالب گیا مر، بڑا کافر مرا۔۔۔۔
>
> اجی حضرت نواب صاحب! نواب صاحب کیسے او فلان صاحب آپ سلجوقی و افراسیابی ہیں یہ کیا بے حرمتی ہو رہی ہے کچھ تو بولو کچھ تو اس کو بولو۔۔۔۔ بولے کیا بے حیاء، بے غیرت، کوٹھی سے شراب، گندھی سے گلاب، بزار سے کپڑا، میوہ فروش سے آم، صراف سے دام قرض لیے جاتا تھا یہ بھی تو سوچا ہوتا کہ کہاں سے دوں گا؟(۴)

اسی طرح غالب نے انوار الدولہ شفق کے نام خط میں ڈاک کے ہرکار کی حرف شناسی کی جو تصویر کھینچی ہے وہ کسی توضیح کی محتاج نہیں۔

> ''ڈاک کا ہرکارہ جو بلی ماراں کے خطوط پہنچاتا ہے، ان دونوں میں ایک بنیا پڑھا لکھا، حرف شناس کوئی فلاں ناتھ ڈھمک داس ہے۔''(۵)

اس میں شوخی کے ساتھ متانت اور سنجیدگی بھی موجود ہے سیدھے سادے موثر پیرائے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ غالب کے خطوط کے بعد اودھ پنچ کی نثر سامنے آتی ہے۔ اودھ پنچ نے مغربیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا چاہا اس کے لکھاریوں میں سجاد حسین، سرشار، ظریف، ہجر، آزاد، شہباز، برق، شوق اکبر شامل تھے۔ سجاد حسین اور سرشار دونوں نے اردو ادب میں کامیاب مزاحیہ کردار پیش کیے۔ حاجی بغلول اور خوجی جو کہ اُن کی بڑی کامیاب کوشش تھی۔

''خوجی'' کا کردار رتن ناتھ سرشار کا تخلیقی کارنامہ ہے کافی رنگین اور متنوع، خوجی کا کردار ایک خصوصیت یا کسی خاص طرز گفتار پر مبنی نہیں اور ان کی شخصیت ان کے گفتار و کردار سے ٹپکی ہے اس کی خوبیاں بے حساب ہیں۔

''سنو میاں، خواجہ بدیع (خوجی) ہفت زبان ہے وہ کونسی زبان ہے جس سے وہ واقف نہیں۔ فرمایئے عربی، فارسی، ترکی اور فرانسیسی سب پر عبور، انگریزی زبان کا بادشاہ۔ لالچ سے منزلوں بھاگتے ہیں حرص کے قریب نہیں جاتے''۔ (۶)

خوجی بلا کا بہادر ہے جسمانی لحاظ سے تو کمزور ہے لیکن بڑے بڑے پہلوان سے بھی نہیں ڈرتا ہر وقت لڑنے کے لئے تیار رہتا ہے۔

''میاں خوجی میں ایک وصف تھی کہ بے سوچے سمجھے بے دیکھے بھالے لڑ پڑتے تھے چاہے اپنے سے دوگنا چوگنا ہو یہ چمٹ ہی جائیں گے۔ خوجی کا غصہ بھی نرالا تھا ان کو جب غصہ آتا تھا تو شہ زور پر، دوسرا وصف یہ تھا کہ پٹ پٹا کر جھاڑ پونچھ کر اٹھ کھڑے ہوتے تھے مگر ممکن کیا کے زرا اُف کریں''۔ (۷)

سجاد حسین کا کردار حاجی بغلول اردو طنزیات اور مزاح میں منفرد حیثیت رکھتا ہے اور اب تک اس کا جواب اردو میں کہیں نظر نہیں آیا۔ اس سے ایک نئی راہ کھلتی ہے بقول رشید احمد صدیقی:۔

''یہ حقیقت ہے اردو ظرافت کا دامن بہت سبک رہ جاتا اگر حاجی بغلول کا کردار وجود میں نہ آتا''۔

حاجی بغلول کا حلیہ کچھ عجیب مزاحیہ سا ہے۔

''سر اگرچہ چودہ انچ کے دور سے بال دو بال ہی زائد تھا، مگر گدی کی جانب بہت اونچا ماہو لال کی چڑھائی کی طرح، پیشانی کی طرف ڈھلا ہوا پیشانی پست نیچے کی جانب جھکی، ابرو چھوٹے مگر بے چین اور کاداک آنکھوں پر مثل سائبان خس پوش. آگے کو ابھرے۔ بینی شاید قلت فرصت سے ایسی مختصر بنی تھی کہ بانسا معدوم، تھے صرف تہ

خانے کے روشندان، اوپر کا لب چھوٹا، نیچے کا جبڑا مع زنخداں آگے کو ابھرا، رخساروں کی ہڈیاں بڑی، اوپر کی بہ نسبت نیچے کی بوائی بڑی، اس پر رسولی ڈاڑھی نور علیٰ نور چہرے کو نوک دار بنائے ہوئے''۔ (۸)

حاجی بغلول کی گفتگو کا انداز بھی نرالہ اور فلسفانہ ہے۔ مثلاً لکھنوی قحط کے متعلق آپ کے لیکچر کی ابتداء ملاحظہ ہو:

''۔۔۔۔ کیا نام کہ بسم اللہ الرحیم (گھبراہٹ میں الرحمٰن الرحیم کی تخفیف بول دی) امابعد کہتا ہے یہ حقیر پر تقصیر کیا نام کہ شیخ فردوسی گلستاں میں کہہ گئے ہیں۔۔۔۔

~ چناں قحط سالی شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کرد ند عشق

آج کل کیا نام کہ پانی نہیں برستا (سکوت پانچ منٹ) قحط پڑ گیا ہے بڑا افسوس ہے کچھ نہیں پیدا ہوا کھانے کو کہاں سے آئے؟ بقول شخصے اونٹ کے منہ کو زیرا (چیرز) اس ملک سے برکت کی باتیں اٹھ گئی ہیں نہ اگلی سی برساتیں ہوتی ہیں نہ گرمی ہوتی ہے نہ جاڑا اور کیا نام کہ باپ کو بھائی، بیٹے کو بہن، دوست کو دوست نہیں پوچھتے، بھائیو اور کرو کون کون سی باتیں کہی جائیں تم سب سمجھدار ہو سمجھ جاؤ۔۔۔۔ (۹)

منشی سجاد حسین نے اودھ پنچ میں فرضی خطوط کا سلسلہ بھی شروع کیا تھا جن میں انھوں نے سارے ہندوستان کی طرف سے اپنے دل کا غبار نکالا ہے اور ستھرے طنز کو جلا دی ان خطوط میں بیاں شدہ ایک ایک بھپتی ظرافت کا ایک دفتر ہے اور ان کی بے پناہ سیاسی اہمیت ہے۔

اودھ پنچ کے دوسرے مشہور لکھنے والے مرزا محمد مُرتضیٰ ہیں جو مرزا مچھو بیگ ستم ظریف کے نام سے لکھتے تھے۔ جہاں تک زبان کی پختگی، لکھنو کی بول چال محاوروں کی صفائی

کا تعلق ہے ان کا رنگ اودھ پنچ کے دوسرے مزاح نگاروں سے چوکھا ہے۔ نئے سال کے سلسلے میں آپ کے مضمون سے اقتباس ملاحظہ ہو:

''اے لو صاحب میاں ۱۸۷۷ع بھی سوتے جمعہ ففروالی اللہ ہوئے سال بھر خوب کوڑے کیے۔ رقمیں گانٹھیں، گلے کاٹے، بارہ مہینے کے اندر لاکھوں شعبدے سینکڑوں کرشمے دکھلائے گاؤں کے گاؤں صاف کر دیئے شہر کے شہر تباہ کر دیئے۔۔۔۔

۔۔۔۔ول مسٹر ۱۸۷۸ع ویل کم خوش آمدی صفا آوری

اٹکھیلوں سے چل کے نہ غمزے دکھایئے۔
مرشد کہا تھا آیئے تشریف لایئے

آہاہا ہاہا ہاہاہا۔۔۔ آیئے آیئے قدم رنجہ فرمایئے بڑی راہ دکھلائی۔۔۔ جب اللہ پیر منائے تب جمال باکمال نظر آیا۔''(۱۰)

تربھون ناتھ ہجر بھی اودھ پنچ کے نورتنوں میں سے ایک تھے سجاد حسین اُن کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''اس اخبار کے سب سے پہلے قدردان اور خریدار ہجر تھے''۔

ہجر فطرتاً ظریف تھے اس لئے ان کے مضامین میں شوخی اور ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے انھوں نے اپنے زمانے کے بگڑے نوجوانوں اور رئیسوں کو ہدف طنز بنایا ہے۔

''حضرت اودھ پنچ صاحب یوں کہنے کو تو رباعیات عمر خیام زبان زدخاص وعام ہیں مگر جناب ہماری رباعیوں میں افیون کے قوام ہیں۔ واللہ وہ چاشنی ہے کہ تار نہ ٹوٹے۔ لے اس بکواس سے کیا حاصل اوس قوام کا ہمیں بھی مزا تو چکھایئے بہت بہتر''۔

چانڈو کا جو کوئی لطف ہم سے پوچھے
تھک ہاتھ میں لے لگا لے بمبو منہ سے
ہو بد نظر جو آبِ کوثر کا مزا
ہر چھینٹے کے بعد اک گنڈیری چوسے(۱۱)

اس کے ساتھ ساتھ سید محمد آزاد کا بھی ایک خاص انداز تھا آزاد نے نثر میں وہی کام کیا جو نظم میں اکبر نے انجام دیا وہ بھی مغربیت کے خلاف تھے اُن کا طرز تحریر سیدھا سادہ اور دھیما ہے۔

''آج میرے نصیب یہ عزت بخش خدمت ہوئی کی میں آپ صاحبوں سے اپنے اس شاہنشاہ آفتاب نسب، عادل انصاف گستر، پرقوت، زی شوکت اور پر ہیبت کے جام صحت و تندرستی کے پینے کے استدعا کرتا ہوں کے جس کے عہد انصاف مہد میں ہم لوگ کالی ناگن کو بے تکلف نگل جاتے ہیں۔۔۔ ہمارے ہاتھ میں اس وقت عالی قدر بادشاہ کا جامِ صحت ہے۔۔۔ جس کی نیک نیتی اور پاک باطن کی برکت سے افیون کی ایسی مفید نفس کش اور مفرح چیز ہم لوگوں کے استعمال میں ہے کہ جس نے ساری دنیا کے لوگوں سے زیادہ آرام اور تسکین اور راحت اور بے خلش طور سے زندگی بسر کرنے کا سامان ہم لوگوں کے واسطے مہیا کر دیا اور جس کی بدولت انگریزوں نے ہم لوگوں کی جیب کا لاکھوں روپیہ پایا ہے۔''(۱۲)

فرحت اللہ بیگ کے پاس لہجہ ہے جس نے ان کی تحریروں میں انفرادیت پیدا کی ان کے یہاں قہقہے اور تمسخر جیسی کوئی چیز نہیں ملتی ان کا قلم طنز کی راہوں کو سنجیدگی اور متانت کی روشنی میں طے کرتا ہے وہ اپنی تحریر میں سنجیدہ اور شائستہ الفاظ استعمال کرتے ہیں ان کی ظرافت میں بھی مقصد ہے۔ ''بہادر شاہ اور پھول والوں کی سیر'' کے مضمون سے ایک اقتباس

ملاحظہ ہو:

''مرزا جہانگیر (اکبر ثانی اور ممتاز محل کا بیٹا) بلا کے پینے والے اور غضب کے منہ پھٹ تھے اس مخالفت سے دلوں میں بیر تو پڑ ہی گیا تھا ایک دن سرِ دربار مرزا جہانگیر نے سٹین صاحب کو ''لولو ہے بے'' کہہ دیا صاحب کسی نہ کسی طرح پی گئے۔ تھوڑے دنوں بعد یہ غضب کیا کہ ان پر گولی چلائی — آخر کہاں تک طرح دی جاتی — اور قید ہوکر الہ آباد گئے۔ ممتاز محل کو بڑا صدمہ ہوا منت مانی کے مرزا جہانگیر چھوٹ کر آئیں گے تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی مزار پر چادر اور پھولوں کی مسہری چڑھاوں گی۔ خدا کی قدرت اور سٹین کی شرافت دیکھیے کے انہی کی سفارش پر صاحب عالم اس قید سے رہا ہوئے بادشاہ بیگم نے منت بڑھانے کی تیاریاں کیں بڑی دھوم دھام سے چادر لئے شہر بھر کے تمام ہندو مسلمان شریک ہوئے قطب میں کئی دن تک میلہ لگا رہا۔۔۔ — ۱۲۶۴ھ کا ساون بھی غضب کا ساون تھا یا تو برستا ہی نہ تھا یا برسا تو ایسا برسا کہ جل تھل بھر گئے چھوٹے مکانوں کا توڑ کر ہی کیا بڑی بڑی حویلیاں تباہ ہوگئیں۔ دلی میں بہادر شاہ برائے نام بادشاہ تھے سارا انتظام کمپنی بہادر کے ہاتھ میں تھا۔ بھلا کمپنی کو کیا غرض پڑی تھی جوان غریب شہر والوں کی خبر لے شہر والے جانیں اور ان کا کام جانے خیر بادشاہ سلامت کو خبر ہوئی بیچارے کے جو کچھ اختیار میں تھا وہ کیا''۔ (۱۳)

ابوالکلام آزاد کی عبارت میں شوخی، طنز اور ظرافت بھی اس پائے کی ہے جو اردو کے کسی بڑے سے بڑے ادیب کے حصے میں نہیں آئی وہ الفاظ کے ذریعے اپنے جذبات و خیالات کے اٹھتے ہوئے طوفان کو ایک زبردست طوفان بنا دیتے ہیں ان کی تحریروں میں

فطری زور ہے۔ جس کی ایک جھلک آپ کی ایک تحریر ''حدیث الغاشیہ'' کے آئینے میں پیش خدمت ہے:

''دو دن کی فریقانہ معرکہ آرائی کو اب اور کہاں تک طول دیا جاتا؟ اس کا فیصلہ یوں کیا گیا کہ بین بین طریقہ پسند کیجیے کہ خیرالامور اوسطہا کفر و اسلام دونوں کو اختیار کیجیے۔ اہرمن اوریز دان کو رام کیجیے۔ ایک ہی طرف کیوں جھکیے جب دونوں کی خوشنودی حاصل ہو سکے؟ صرف کعبے ہی کے کیوں ہو رہیے جب تک بت کدے سے بھی رسم و راہ ہو سکے؟ ایک ہاتھ زنارِ برہمن لیجیے اور دوسرے ہاتھ میں سُبحہ زاہد۔ یعنی ایک ہاتھ ایمان سے ملایئے اور دوسرا وقت مصافحہ نفاق۔ یعنی ایک ہاتھ میں جام غلامی اور دوسرے میں سندانِ حریت''۔ (۱۴)

مولانا ظفر علی خان کا لہجہ دھیما ہے اُن کی تحریر میں زور اور ایک ایسی قوت ہے جو اسے بلند کر دیتی ہے ان کے طنز میں ہجو کا انداز ہے اور سیاسیات میں ہجو کو شامل کر کے انھوں نے برطانوی ڈپلومیسی کو اس کا ہدف بنایا ہے۔ برائے تفصیل ملاحظہ ہو حیرت کدہ لاہور: پرنسپل ہنری مارٹن کے محیرالعقول کارنامے انجمن حمایت اسلام کا پراسرار سکوت۔ (۱۵)

سید محفوظ علی بدایونی نے تمثیلہ کی طرف قدم بڑھایا جو ایک مشکل فن ہے لیکن اپنے تیز مشاہدے اور شوخ طبیعت کی بدولت ان کی ظرافت میں بھی تیزی اور شوخی ملتی ہے، ''شیخ سااللہ کی صاحبزادیاں'' سے چند سطریں ملاحظہ ہوں:

''آسیہ (آہ بھر کر) ہاں بہن سچ کہا خدا کی شان کبھی ہم اس پڑوس میں تمیز دار سمجھے جاتے تھے سینا پرونا ہم جانتے تھے، کھانا پکانا ہم جانتے تھے آج پھوہڑ ہم، بدتمیز ہم، گندے ہم، مگر اس کی وجہ جانتی ہوں آیا پیسہ آئی مت گیا پیسہ گئی مت، گانٹھ میں دام سب کریں سلام''۔ (۱۶)

ملا رموزی کے مضامین میں تنوع ہے ان کی گلابی اردو نئے پن کی وجہ سے مشہور

ہوگئی ان کی طبیعت ظریف تھی اور انھوں نے سیاست، مذہب وتمدن، اخلاق و معاشرت اور ادب وقومیت جیسے موضوعات سے بحث کی ہے۔

ملا رموزی کی تحریروں کے لئے پروفیسر عبدالقادر سروری کی رائے نہایت مناسب ہے کہ:

''ملا رموزی کی ہمیشہ باقی رہنے والی تحریروں میں بہت کم ایسی ملیں گی جن میں ظرافت صرف ظرافت کی خاطر، کا اصول مدنظر رکھا گیا ہے ان کی کسی تحریر کا مقصد ہمارے مذموم رواجات کی برائیوں کا استقبال ہے اور کسی کے ذریعے حالات کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں''۔

سلطان حیدر جوش کی تحریروں میں فلسفانہ رنگ ہوتا ہے وہ مغربی مصنفین سے متاثر ہوئے ہیں۔ فلسفے کی آمیزش کی وجہ سے ان کی ظرافت میں گہرائی آ جاتی ہے، لیکن جو بات سلطان حیدر جوش کی تحریروں کو ممتاز بناتی ہے وہ غور وفکر کا وجود، خیالات کی گہرائی، سنجیدہ لب ولہجہ ہے۔ (۱۸)

سجاد علی انصاری کا شمار ان طنز نگاروں میں ہے جن سے اردو ادب میں طنز نگاری کے ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے ان کی ظرافت عام فہم نہیں اُن کے قلم میں بے باکی کے ساتھ ہی سنجیدگی اور متانت بھی ہے۔

''فلسفہ نازاں ہے کہ معمائے کائنات حل ہوگیا اور ارباب علم وفن متکبر کہ ان کی عقدہ کشائی نے دنیا کو بازیچہ اطفال بنا دیا ہے خدا نے ہزاروں پیامبر بھیجے مگر ارباب تحقیق نے بلا تامل ان کی تکذیب کردی انہوں نے یہ امتیاز قائم کر دیا کہ پیامبر، جہلا کی تشفی کے لئے ہیں اور حاملانِ علم و اجتہاد ارباب نظر کے لئے جہل مرکب رقص کرنے لگا انسان نے ارباب جہل وعقد کو شکست دے دی اور یہی نہیں نظام عالم

اور حیات انسان کی لطافتیں بھی ہمیشہ کے لئے برباد کر دی گئیں۔۔۔ مشرق روحانی فضا سے مانوس ہے اس کا فلسفہ اگر کسی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسی عالم تقدس کی طرف جس کی رنگینوں کے پرتو سے یہ دنیا معمور ہے مغرب وہ کبھی اڑنے کا عادی نہیں اس لئے اس کا فلسفہ بھی اسفل کی طرف آتا ہے''۔ (۱۹)

خواجہ حسن نظامی کی اصل اہمیت ان کی انشا نگاری ہے وہ نہایت ہی آسان، سادہ، پُر لطف طرز میں لکھتے ہیں اور ہمیشہ سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے ہیں۔

''ویل کم ہو ہو۔ مائی ڈیئر ۱۹۱۶ء اندر آیئے کیک چکھیئے کم مٹھاس کی چائے پیجئے، انگیٹھی گرم ہے ہاتھ سینکیے، ناک کو تو سردی نہیں لگی۔ خنکی معلوم ہو تو اس کو بھی گرما لیجیے مگر ہاں آپ کی ناک ہے بھی یا نہیں؟ ۱۹۱۵ء کی اہل جرمن نے وعدہ خلافیاں عہد شکنیاں کر کے بچارے کی ناک کاٹ لی تھی۔

لاؤ میرا کیک پھیر دو اور چائے کی پیالی بھی واپس دو۔۔۔ ہاں یاد آیا میں تو مشرق ہوں اور مشرق والے دے کر واپس نہیں لیا کرتے۔۔۔۔ آؤ بھگت کرتا تو اپنے محرم جو لاڈلا ہے ہجری سن کا پہلا پیغام لے کر آتا ہے تم سے مجھے کیا غرض تم کو پادری صاحب کے ہاں جانا چاہیئے تھا۔ لاحولا ولا قوۃ۔۔۔ معاف کیجیے گا جناب بھوک ومفلسی میں انسان کی عقل قابو میں نہیں رہتی۔'' (۲۰)

رشید احمد صدیقی کا شمار ان مزاح نگاروں میں ہوتا ہے جن سے ظرافت کے سوت پھوٹتے ہیں جن کی ظرافت ادبی محاسن سے مالا مال ہے ادبی محاسن کے علاوہ اور بھی بعض عناصر ان کے مزاح میں انفرادیت کی تخلیق کے ذمہ دار ہیں۔ یہاں ارہر کا کھیت سے ایک جملہ پیش خدمت ہے:

''پارلیمنٹ اور کونسلروں کی ہیر ہیر اور چیرز جواب ''رقص پروانہ'' اور ''پرفشانی شمع'' سے زیادہ گرمی محفل کا باعث تصور کی جاتی ہے وہ صدا ہائے بازگشت ہیں جو شاید سب سے پہلے کس آلہء مکبر الصوت نے ارہر کے کھیت سے بلند کی تھیں''۔ (۲۱)

عظیم بیگ چغتائی ظرافت کے میدان پر جلد چھاگئے ان کے ہاں طنز سے زیادہ ظرافت ہے ان کے ذہنی اور جذباتی مزاح کا پس منظر عموماً اصلاح ہوتا ہے وہ دوسروں کی کمزوریوں کا تجزیہ اس انداز میں کرتے ہیں کہ اس سے دوسروں کے دل میں گدگدی پیدا ہو۔ آپ کی تحریر 'الشذری'' سے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

''چودھری صاحب کہنے لگے یار مرزا دیکھو یہ حیدرآبادی کس قدر ملک کے غدار اور دشمن ہیں۔ یہ کہہ کر دو تین حیدرآبادیوں کے رقعے دکھائے۔ بات دراصل یہ تھی کے بھائی شذری خفیہ طور پر اس کی تحریک کر رہے تھے کہ تمام کالج کے لڑکے گروہ اور انبوہ کی صورت میں واپسی برار کے معاملہ میں کالج کی تحریک کو جامہ پہنائیں اور سخت قسم کی ایجی ٹیشن پیدا کر کے ایکا یک چٹپٹا سا جلسہ کر کے دھرلیں۔ تمام وائسرائے وغیرہ کو تار پہ تار، تار پہ تار۔ اس تحریک سے حیدرآبادیوں نے اور دراصل ہر اس نے جس کے سر میں سر تھا دلچسپی لینے سے انکار کر دیا اوروں کو تو ڈالا بھائی شذری نے جہنم میں مگر حیدرآبادیوں سے الجھ پڑے''۔ (۲۲)

شوکت تھانوی فطرتاً بذلہ سنج اور ظریف ہیں لوگ بحیثیت ظریف کے ان کی مثال دیتے ہیں ان کو شہرت، ''سودیشی ریل'' سے ملی۔ شوکت تھانوی کے لئے عشرت رحمانی لکھتے ہیں کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ زندہ دلی کے ایک دلکش اور نفیس حادثہ کا نام شوکت تھانوی ہے''۔

شیش محل میں انھوں نے اپنے دوستوں کے جو ظریفانہ خاکے لکھے ہیں وہ ان کی ظرافت کی ادبی شان کے مظہر ہیں۔

''سیدھے پنڈال میں گھس گئے جہاں ایک صاحب جو صورت سے لیڈر معلوم ہوتے تھے یعنی سر پر گاندھی کیپ داڑھی مونچھ سے فارغ البال ایک لمبا سا کھدر کا کُرتا ٹانگوں میں وہی کھدر کی دھوتی اور چپل پہنے ہوئے تھے ایک ہاتھ تو اپنی پشت پر رکھے ہوئے اور دوسرے ہاتھ کو مجمع کی طرف اٹھائے ہوئے اس طرح حرکت دے رہے تھے جیسے بینڈ ماسٹر اپنے بید کو حرکت دیتا ہے وہ کچھ کہہ بھی رہے تھے معلوم نہیں کیا — بھائیو اب وہ وقت نہیں ہے کہ ریزولیوشن پاس ہوں اور رہ جائیں — شرمندہ عمل نہ بنیں سرگرمیاں — اب تیار ہو جاؤ — ہوشیار رہو — کہ تم کو ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ کے بعد اپنا کام اپنے ہاتھوں انجام دینا ہے — اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے — (دوسری طرف گھوم گئے) خواب غفلت سے بیداری کا وقت یہ ہے — اور وہاں تم تھے برٹش گورنمنٹ — سوراج سودیشی — چرخہ — کھدر —، (چیز کے بعد تقریر ختم)۔ (۲۳)

پطرس بخاری کی ظرافت کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انھوں نے کُل گیارہ مضامین کی بنیاد پر اُردو ادب میں ایک ایسا مقام حاصل کر لیا جو ابھی تک انہی سے وابستہ ہے۔ پطرس خود نہیں مسکراتے مگر دوسروں کو قہقہے لگانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ ایک اقتباس سنیما کے عشق سے پیش خدمت ہے:

''جمعرات کے دن چار بجے ہی ان کے مکان پر روانہ ہو جاتا ہوں اس خیال سے کہ جلدی جلدی انہیں تیار کرا کے وقت پر پہنچ جائیں مرزا صاحب عجیب مربیانہ تبسم کے ساتھ کرسی سے اٹھتے ہیں گویا یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اچھا بھئی تمہاری طفلانہ خواہش آخر ہم پوری کر ہی دیں۔ چنانچہ پھر یہ کہہ کر تشریف لے جاتے ہیں کہ اچھا کپڑے پہن آؤں مرزا صاحب کے کپڑے پہننے کا عمل اسی قدر طویل ہے کہ اگر میرا اختیار چلے تو قانون کی رو سے انہیں کپڑے اُتارنے ہی نہ دوں۔ آدھے گھنٹے کے بعد وہ کپڑے پہنے ہوئے تشریف لاتے ہیں ایک پان منہ میں اور دوسرا ہاتھ میں بھی، میں اٹھ کھڑا ہوتا ہوں دروازے تک پہنچ کر مڑ کے دیکھتا ہوں تو مرزا صاحب غائب۔ پھر۔۔۔ اندر جاتا ہوں مرزا صاحب کسی کونے میں کھڑے کچھ کرید رہے ہیں''۔ ''ارے چلو چل تو رہا ہوں ''یار آخر اتنی بھی کیا'' آفت ہے؟ تمام راستے میں مرزا صاحب چہل قدمی فرماتے رہے۔ ٹکٹ لے کر اندر داخل ہوتے ہیں تو اندھیرا گھپ۔۔۔ بہتیرا آنکھیں جھپکاتا ہوں کچھ سجھائی نہیں دیتا اُدھر سے کوئی آواز لگاتا، دروازہ بند کر دو جی۔۔۔ یااللہ اب جاؤں کہاں۔۔۔ رستہ، کرسی، دیوار، آدمی کچھ بھی تو نظر نہیں آتا۔ ایک قدم اور آگے بڑھاتا ہوں تو سر اُن بالٹیوں سے جا ٹکراتا ہے جو آگ بجھانے کے لیے دیوار پر لٹکی رہتی ہیں۔ (۲۴)

مندرجہ بالا انشاپردازوں کے علاوہ ولایت بمبوتن، عبدالمجید سالک، سندھ باد جہازی، چراغ حسن حسرت، نیاز فتح پوری، ابن انشا، علی عباس حسینی، تمکین کاظمی، اشفاق احمد، ڈاکٹر شفیق الرحمٰن، مشتاق یوسفی، کرنل محمد خان، صدیق سالک، منو بھائی، نذیر ناجی، ابراہیم جلیس، محمد خالد اختر، ممتاز مسعود، مستنصر حسین تارڑ، اور

عطاالحق قاسمی وغیرہ نے بھی طنز و مزاح کے میدان میں اپنے قلم کی جولانیوں سے اردو ادب کے زخیرے میں جو گراں قدر اضافہ کیا ہے یقیناً اردو کی تاریخ انہیں کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتی۔

حوالہ جات

(1) Origin of wit and Humar P.23

(2) Arthur Koeslle insight and out side P. 394.

(۳) مولانا الطاف حسین حالی ''یادگار غالب'' سنگ میل پبلکی کشنیز لاہور۔ص ۱۱

(۴) غلام رسول مہر، ''خطوط غالب'' بنام مرزا قربان علی بیگ خان سالک شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز ادبی مارکیٹ چوک انارکلی لاہور۔ص ۹۶

(۵) ایضاً '' '' بنام انورالدولہ شفق ص ۳۰۶۔

(۶) رتن ناتھ سرشار ''فسانہ آزاد'' جلد اول سنگ میل پبلی کشنیز لاہور۔ص ۳۴۱

(۷) ایضاً '' '' ص۔ ۳۶۱

(۸) سجاد حسین ''حاجی بغلول'' مشمولہ نقوش طنز و مزاح نمبر ادارہ فروغ اردو لاہور۔ص۔ ۸۶۱

(۹) ایضاً '' '' ص۔ ۸۶۳

(۱۰) ستم ظریف ''یکے ہی رودو دیگرے ہمی آید'' اودھ پنچ اخبار جنوری ۱۸۷۸ مضامین سال نو مراسلہ مضمون نگاران)

(۱۱) تربھون ناتھ ہجر تشنہ کی ترنگ'' اودھ پنچ ۱۸ دسمبر ۱۸۷۷ء

(۱۲) نواب سید محمد آزاد ''خمارستان کی تہذیب یافتہ مدکیوں کی تجارت کے جلسے کا سالانہ ڈنر'' اودھ پنچ ۱۹ فروری ۱۸۷۸ء۔

(۱۳) فرحت اللہ بیگ ''بہادر شاہ اور پھول والوں کی سیر'' مشمولہ نقوش طنز و مزاح نمبر ادارہ فروغ اردو لاہور۔ص ۵۲۷

(۱۴) مولانا ابوالکام آزاد ''حدیث الغاشیہ'' '' '' ایضاً ص۔ ۴۶۱۔

(۱۵) مولانا ظفر علی خان ''حیرت کدہ لاہور'' پرنسپل نہری مارٹن کے محیرالعقول کارنامے انجمن حمایت اسلام کا پراسرار سکون'' زمیندار اخبار ۱۹۱۷ء۔

(۱۶) سید محفوظ علی بدایونی ''شیخ سماء اللہ کی صاحبزادیاں'' مشمولہ نقوش طنز و مزاح نمبر ادارہ فروغ اردو لاہور۔ ص ۴۵۹

(۱۷) ملال رموزی ''لندھن کا عنابی دربار'' مشمولہ نقوش طنز و مزاح نمبر ادارہ فروغ اردو لاہور۔ص ۵۰۱

(۱۸) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، سلطان حیدر جوش قرض و مقروض'' مشمولہ نقوش طنز و مزاح نمبر ادارہ فروغ اردو لاہور۔ص ۵۰۱

(۱۹) سجاد علی انصاری ''اجتہاد و تحقیق'' مشمولہ نقوش طنز و مزاح نمبر ص ۵۰۳

(۲۰) خواجہ حسن نظامی ''کم ان مائی ڈیئر ۱۹۱۶ء'' ایضاً ص۔ ۴۹۳۔

(۲۱) ''رشید احمد صدیقی ''ارہر کا کھیت'' ایضاً ص۔ ۵۵۰

(۲۲) مرزا عظیم بیگ چغتائی ''الشذری'' نقوش طنز و مزاح نمبر ادارہ فروغ اردو لاہور۔ص ۵۵۶

(۲۳) شوکت تھانوی ''سودیتی ریل'' ایضاً ص۔ ۵۶۱۔

(۲۴) پطرس بخاری ''سنیما کا عشق'' پطرس کے مضامین الفیصل ناشران و تاجران کتب غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور۔ص ۷۲

☆☆☆